

# تفہیم قرآن

(۷)

## آل عمران

(از رکوع - تا ختم سورہ)

تم نیکی کا مقام نہیں پاسکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ اس سے بے خبر نہ ہوگا۔

کھانے کی بیماری چیزیں (جو شریعت محمدی میں حلال کی گئی ہیں) بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال ہیں۔

۱۱۱ اوپر سے جو سلسلہ تقریر چلا آ رہا ہے اس میں خطاب کا رخ یہودیوں کی طرف ہے۔ اس آیت میں ان کی اس غلط فہمی کو دور کیا گیا ہے جو وہ نیکی کے بارے میں رکھتے تھے۔ ان کے دماغوں میں نیکی کا بلند سے بلند تصور بس یہ تھا کہ صدیوں کے قوارت سے "تشریح" کی جو ایک خاص شکل ان کے ہاں بن گئی ہے اس کا پورا چربہ آدمی اپنی زندگی میں گزارے اور ان کے علماء کی قانونی مشوٹکانیوں سے جو ایک لمبا چوڑا فقہی نظام بن گیا ہے اس کے مطابق رات دن زندگی کے چھوٹے چھوٹے ضمنی ذمے و عہدوں کی ناپ تول کرتا رہے۔ اس تشریح کی ظاہری سطح کے نیچے بالعموم یہودیوں کے بڑے بڑے "وینڈر لوگ" تنگ دلی حرص، بخل، حقی پویشی اور حقی فروشی کے عیوب چھپائے ہوئے تھے اور رائے عام ان کو نیک سمجھتی تھی۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ نیک انسان ہونے کا تمام ان چیزوں سے بالاتر ہے جن کو تم نے مدار خیر و صلاح سمجھ رکھا ہے نیکی کی اصل روح خدا کی محبت ہے ایسی محبت کہ رضائے الہی کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی چیز عزیز تر نہ ہو جس چیز کی محبت بھی آدمی کے دل پر اتنی غالب آجائے کہ وہ اسے خدا کی محبت پر قربان نہ کر سکتا ہو بس وہی ثبت ہے اور جب تک اس ثبت کو آدمی توڑ نہ دے، نیکی کے دروازے اس پر بند ہیں۔ اس روح سے خالی ہونے کے بعد ظاہری تشریح کی حیثیت محض اس چمکدار روغن کی سی ہے جو گھن کھائی ہوئی کٹری پر پھیر دیا گیا ہو۔ انسان ایسے روغنوں سے دھو کا کھا سکتے ہیں، مگر خدا نہیں کھا سکتا۔

۱۱۲ قرآن اور محمد علیہ السلام کی تعلیمات پر جب علماء یہود کوئی اصولی اعتراض نہ کر سکے (باقی صفحہ ۲۱۱ پر)

البتہ بعض چیزیں ایسی تھیں جنہیں توراہ کے نازل کیے جانے سے پہلے بنی اسرائیل نے خود اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ ان سے کہو اگر تم اپنے اعتراض میں سچے ہو تو لاؤ توراہ اور پیش کر واس کی کوئی عبارت۔ اس کے بعد بھی جو لوگ اپنی جھوٹی گھڑی ہوئی باتیں اللہ کی طرف منسوب کرتے رہیں وہی درحقیقت ظالم ہیں۔ کہو، اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے سچ فرمایا ہے، تم کو کیسیو ہو کر ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کرنی چاہیے، اور ابراہیم شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔

بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے۔ اس کو خیر و برکت دی گئی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت بنا دیا گیا۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، ابراہیم کا مقام عبادت ہے، اور اس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہوا مومن ہو گیا۔ لوگوں پر

(بقیہ صفحہ سابق) کیونکہ اس میں ان میں انبیاء سابقین کی تالیفات اور نبی کی تعلیم میں یکسر موافق تھا تو انہوں نے فقہی اعتراضات شروع کیے۔ اس سلسلہ میں ان کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ آپ نے کھانے پینے کی جنس ایسی چیزوں کو حلال قرار دیا ہے جو پچھلے انبیاء کے زمانہ سے حرام چلی آ رہی ہیں۔ اسی اعتراض کا یہاں جواب دیا جا رہا ہے۔

(حواشی صفحہ ہذا) ماہ "اسرائیل" سے مراد اگر بنی اسرائیل لیے جائیں تو مطلب یہ ہو گا کہ توراہ سے قبل بعض چیزیں بنی اسرائیل نے ممنوع و حرام قرار دی تھیں۔ اور اگر اس سے مراد حضرت یعقوب، لیے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ آنجناب نے بعض چیزوں سے طعمی کراہت کی بنا پر کسی مرض کی بنا پر احتراز فرمایا تھا اور ان کی اولاد نے بعد میں اسے ممنوع سمجھ لیا۔ یہی موخر الذکر روایت زیادہ مشہور ہے۔

۱۰ مطلب یہ ہے کہ ان فقہی جزئیات میں کہاں جا پھنسنے ہو۔ دین کی جزو تواللہ واحد کی بندگی ہے جسے تم نے چھوڑ دیا اور شرک کی آلائشوں میں مبتلا ہو گئے۔ اب بحث کرتے ہو فقہی مسائل میں، حالانکہ یہ وہ مسائل ہیں جو اصل ملت ابراہیمی سے ہٹ جانے کے بعد انحطاط کی طویل صدیوں میں تمہارے علماء کی موشگافیوں سے پیدا ہوئے ہیں۔

۱۱ یہودیوں کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ تم نے بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو قبلہ کیوں بنایا، حالانکہ پچھلے انبیاء کا قبلہ بیت المقدس ہی تھا۔ اس کا جواب سورہ بقرہ میں دیا جا چکا ہے۔ لیکن یہودی اس کے بعد بھی اپنے اعتراض پر پھرتے رہے۔ لہذا یہاں پھر اس کا جواب دیا گیا ہے۔ (حاشیہ ۱۰ دیکھو اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔ کہو، اے اہل کتاب تم کیوں اللہ کی باتیں ماننے سے انکار کرتے ہو؟ جو حرکتیں تم کر رہے ہو اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ کہو، اے اہل کتاب یہ تمہاری کیا روش ہے کہ جو اللہ کی بات مانتا ہے اُسے بھی تم اللہ کے راستہ سے روکتے ہو اور چاہتے ہو کہ وہ ٹیڑھی راہ چلے حالانکہ تم خود اس کے راہِ راست ہونے پر گواہ ہو۔ تمہاری حرکتوں سے اللہ غافل نہیں ہے۔

اے ایمان لانے والو! اگر تم نے ان اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی بات مانی تو یہ تمہیں ایمان سے پھر کفر کی طرف پھیر لے جائیں گے۔ تمہارے لیے کفر کی طرف جانے کا اب کیا موقع باقی ہے جب کہ تم کو اللہ کی آیات سنائی جا رہی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسول موجود ہے؟ جو اللہ کا دامن مضبوطی کے ساتھ تمہارے گاوہ ضرور راہِ راست پائے گا۔

ع

(یقیناً سابقہ جگہ یعنی اس گھر میں ایسی صریح علامات پائی جاتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی جناب میں مقبول ہوا ہے اور اسے اللہ نے اپنے گھر کی حیثیت سے پسند فرمایا ہے۔ حق و ذق بیابان میں بنایا گیا اور پھر اللہ نے اس کے جوار میں رہنے والوں کی رزق رسانی کا بہتر سے بہتر انتظام کر دیا۔ دو ڈھائی ہزار برس تک جاہلیت کے سبب، تمام عرب انتہائی بلامنی کی حالت میں مبتلا رہا، مگر اس شہر دجری سرزمین میں کعبہ اور اطراف کعبہ ہی کا ایک خطرہ ایسا تھا جس میں امن قائم رہا، بلکہ اسی کعبہ کی یہ برکت تھی کہ سال پھر میں چار مہینہ کے لیے پورے ملک عرب کو اس کی بدولت امن میسر آجاتا تھا۔ پھر بھی نصف صدی پہلے ہی سب دیکھ چکے تھے کہ ابرہہ، جس نے کعبہ کی تخریب کے لیے مکہ پر حملہ کیا تھا، اس کی فوج کس طرح تہراہی کی شکار ہوئی۔ اس واقعہ سے اُس وقت عرب کا بچہ بچہ واقف تھا اور اس کے چشمِ دید شاہد تک ان آیات کے نزول کے وقت موجود تھے۔

وہ جاہلیت کے تاریک دور میں بھی اس گھر کا یہ احترام تھا کہ خون کے پیاسے دشمن ایک دوسرے کو ہاں دیکھتے تھے اور ایک کو دوسرے پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

لے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔ سب مل کر اللہ کی رستی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اللہ کے اُس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے، تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اُس نے تمہارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے، تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اِس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے شاید کہ ان علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا سیدھا سامنا نظر آجائے یہ

لکھنی مرتے دم تک اللہ کی فرماں برداری اور وفاداری پر قائم رہو۔

تو اللہ کی رسی سے مراد اِس کا دین ہے، اور اِس کو رستی سے اِس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہی وہ رشتہ ہے جو ایک طرف اہل ایمان کا تعلق اللہ سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف تمام ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بناتا ہے اِس رستی کو مضبوط پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں اصل اہمیت دین کی ہو، اِس سے ان کو دلچسپی ہو یا سنی کی آقاہت میں وہ کوشاں رہیں، اور اِس کی خدمت کے لیے آپس میں تعاون کرتے رہیں۔ جہاں دین کی اساسی تعلیمات اور اِس کی آقاہت کے نصب العین سے مسلمان بٹے اور اُن کی توجہات اور دلچسپیاں جزییات و فروع کی طرف منحطف ہوئیں، پھر ان میں لازماً وہی تفرقہ و اختلاف رونما ہو جائے گا جو اِس سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی امتوں کو ان کے اصل مقصد حیات سے منحرف کر کے دنیا اور آخرت کی رسوائیوں میں مبتلا کر چکا ہے۔

تو یہ اشارہ ہے اِس حالت کی طرف جس میں اسلام سے پہلے اہل عرب مبتلا تھے۔ قبائل کی باہمی عداوتیں، بات بات پر ان کی لڑائیاں اور شہب و فز کے کشت و خون جن کی بدولت قریب تھا کہ پوری عرب قوم نیست و نابود ہو جاتی۔ اِس آگ میں جل مرنے سے اگر کسی چیز نے انہیں بچا یا تو وہ یہی نعمت اسلام تھی۔ یہ آیات جس وقت نازل ہوئی ہیں اِس سے تین چار سال پہلے ہی مدینہ کے لوگ مسلمان ہوئے تھے اور اسلام کی جیتی جاگتی نعمت سب کچھ رہے تھے کہ اُس اور خزرج کے وہ قبیلے جو ساہا سال سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، باہم مل کر شیر و شکر ہو چکے تھے اور یہ دونوں قبیلے مکہ سے آنے والے ہاجرین کے ساتھ ایسے بے نظیر ایشیا و محبت کا برتاؤ کر رہے تھے جو ایک خاندان کے لوگ بھی آپس میں نہیں کرتے۔ (حاشیہ ۱۵ اگلے صفحہ پر ہے)

تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہتے چاہیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں، اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔ کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے۔ جنہوں نے یہ روش اختیار کی وہ اس روز سخت سزا پائیں گے جبکہ کچھ لوگ سُرخ روہوں گے اور کچھ لوگوں کا منہ کالا ہوگا جن کا منہ کالا ہوگا ان سے کہا جائے گا کہ نعمت ایمان پانے کے بعد بھی تم نے کافرانہ رویہ اختیار کیا ہے اچھا تو اب اس کفران نعمت کے صلہ میں عذاب کا فرہ چکھو۔ رہے وہ لوگ جن کے چہرے روشن ہوں گے تو ان کو اللہ کے دامن رحمت میں جگہ ملے گی اور ہمیشہ وہ اسی حالت میں رہیں گے۔ یہ اللہ کے ارشادات ہیں جو ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک سنا رہے ہیں کیونکہ اللہ دنیا والوں پر ظلم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ زمین و آسمان کی ساری چیزوں کا مالک اللہ ہے اور سارے معاملات اللہ ہی کے حضور پیش ہوتے ہیں۔

ع

(بقیہ سابق) بلکہ یعنی اگر تم آنکھیں رکھتے ہو تو ان علامتوں کو دیکھ کر خود اندازہ کر سکتے ہو کہ آیا تمہاری فلاح اس دین کو مضبوط تھا بننے میں ہے یا اسے چھوڑ کر پھر اسی حالت کی طرف پلٹ جانے میں جس کے اندر تم پہلے مبتلا تھے، آیا تمہارا اصلی خیر خواہ اللہ اور اس کا رسول ہے یا وہ یہودی اور مشرک اور منافق لوگ جو تم کو حالت سابقہ کی طرف پٹانے جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

(حواشی صفحہ ۱۸) بلکہ یہ اشارہ ان امتوں کی طرف ہے جنہوں نے خدا کے پیغمبروں سے دین حق کی صاف اور سیدھی تعلیمات پائیں مگر کچھ مدت گزر جانے کے بعد اس دین کو چھوڑ کر غیر متعلقہ فنی و فروعی مسائل کی بنیاد پر الگ الگ فرقتے بنانے شروع کر دیے اور فضول و لاینی باتوں پر جھگڑنے میں ایسے مشغول ہوئے کہ نہ انہیں اس کام کا ہوش رہا جو اللہ نے ان کے سپرد کیا تھا اور نہ عقیدہ و اخلاق کے ان بنیادی اصولوں سے دلچسپی رہی جن پر حقیقت انسان کی فلاح و سعادت کا مدار ہے۔

بلکہ یعنی چونکہ اللہ دنیا والوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا اس لیے وہ ان کو سیدھا راستہ بھی بتا رہا ہے اور اس بات سے بھی قبل باز وقت گاہ کیے دیتا ہے کہ آخر کار وہ کن امور پر ان سے باز پرس کرنے والا ہے۔ اس کے بعد بھی جو لوگ کج روی اختیار کریں اور اپنے غلط طریقے سے باز نہ آئیں وہ اپنے اوپر آپ ظلم کریں گے۔

اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ اہل کتاب علیہ السلام لانے تو انہی کے حق میں بہتر تھا۔ اگرچہ ان میں کچھ لوگ ایمان دار بھی پائے جاتے ہیں مگر ان کے بیشتر افراد نافرمان ہیں۔ یہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، زیادہ سے زیادہ بس کچھ تاسکتے ہیں۔ اگر یہ تم سے لڑیں گے تو مقابلہ میں ہٹھ دیکھائیں گے پھر ایسے بے بس ہوں گے کہ کہیں سے ان کو مدد نہ ملے گی۔ یہ جہاں بھی پائے گئے ان پر ذلت کی مار ہی پڑی، کہیں اللہ کے ذمہ یا انسانوں کے ذمہ میں پناہ مل گئی تو یہ ادب بات ہے۔ یہ اللہ کے غضب میں گھر چکے ہیں، ان پر محتاجی و مغلوبی مسلط کر دی گئی ہے اور یہ سب کچھ صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ یہ اللہ کی آیات سے کفر کرتے رہے اور انھوں نے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور نیا دتیوں کا انجام ہے۔

مگر سارے اہل کتاب یکساں نہیں ہیں۔ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راہ راست پر قائم

۱۰ یہ وہی شخص ہے جو سورہ بقرہ کے مترہویں رکوع میں بیان ہو چکا ہے۔ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے قسبین کو بتایا جا رہا ہے کہ دنیا کی امامت و رہنمائی کے جس منصب سے بنی اسرائیل اپنی نااہلی کے باعث مغزول کیے جا چکے ہیں اس پر اب تم مامور کیے گئے ہو، اس لیے کہ اخلاق و اعمال کے لحاظ سے اب تم دنیا میں سب سے بہتر انسانی گروہ بن گئے ہو اور تم میں وہ صفات پیدا ہو گئی ہیں جو امامت عادلہ کے لیے ضروری ہیں، یعنی نیکی کو قائم کرنے اور بدی کو مٹانے کا جذبہ و عمل اور اللہ وحدہ لا شریک کو اعتقاداً و عملاً اپنا اللہ اور رب تسلیم کرنا۔ لہذا اب کام تمہارے سپرد کیا گیا ہے اور تمہیں لازم ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو اور ان غلطیوں سے بچو جو تمہارے پیش رو کر چکے ہیں۔

۱۱ اشارہ ہے یہودیوں کی طرف۔

۱۲ یعنی دنیا میں اگر کہیں ان کو تھوڑا بہت امن چین نصیب بھی ہوا ہے تو وہ ان کے اپنے بل بوتے پر قائم کیا ہوا امن و چین نہیں ہے بلکہ دوسروں کے ماتحت ذمی رعایا ہونے کی حیثیت سے ہے۔ کہیں کسی مسلم حکومت نے ان کو خدا کے نام پر ایمان دیدی اور کہیں کسی غیر مسلم حکومت نے اپنے طور پر انھیں اپنی حمایت میں لے لیا۔

ہیں، راتوں کو اللہ کی آیات پڑھتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں، اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں سرگرم رہتے ہیں۔ یہ صالح لوگ ہیں اور جو نیکی بھی یہ کریں گے اس کی ناقدری نہ کی جائے گی، اللہ پر ہیزگار لوگوں کو خوب جانتا ہے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا تو اللہ کے مقابلہ میں ان کو نہ ان کا مال کچھ کام دے گا نہ اولاد، وہ تو آگ میں جانے والے لوگ ہیں اور آگ ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔ جو کچھ وہ اپنی اس دنیا کی زندگی میں خرچ کر رہے ہیں اس کی مثال اُس ہو اکی سی ہے جس میں پالا ہوا اور وہ اُن لوگوں کی کھیتی پر چلے جنہوں نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا ہے اور اسے برباد کر کے رکھ دئے۔ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا، درحقیقت یہ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔

اے ایمان لائے والو! اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا دوسروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔ وہ

۱۵ اس مثال میں کھیتی سے مراد یہ کثرتِ حیات ہے جس کی فصل آدمی کو آخرت میں کاٹنی ہے، جو اسے مراد وہ اوپری جذبہ خیر ہے جس کی بنا پر کفارِ نفاق عام کے کاموں اور خیرات وغیرہ میں دولت صرف کرتے ہیں، اور پالے سے مراد صحیح ایمان اور ضابطہ خداوندی کی پیروی کا فقدان ہے جس کی وجہ سے ان کی پوری زندگی غلط ہو کر رہ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس تمثیل سے یہ بتانا چاہتا ہے کہ جس طرح ہوا کھیتیوں کی پرورش کے لیے مفید ہے لیکن اگر اسی ہوا میں پالا ہو تو وہ کھیتی کو پرورش کرنے کے بجائے اسے تباہ کر ڈالتی ہے، اسی طرح خیرات بھی اگرچہ انسان کے مزید آخرت کو پرورش کرنے والی چیز ہے مگر جب اُسکے اندر کفر کا زہر ملا ہو تو وہی خیرات مفید ہونے کے بجائے اُلٹی ہلک بن جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کا مالک اللہ ہے اور اس مال کا مالک بھی اللہ ہی ہے جس میں انسان تصرف کرتا ہے، اور یہ ملکیت بھی اللہ ہی کی ہے جس کے اندر وہ کر انسان کام کر رہا ہے۔ اب اگر اللہ کا یہ غلام اپنے مالک کے اقتدارِ عالی کو تسلیم نہیں کرتا یا اس کی بندگی کے ساتھ کسی اور کی ناجائز بندگی بھی شریک کرتا ہے، اور اللہ کے مال اور اس کی ملکیت میں تصرف کرتے ہوئے اصل مالک کے قانون و ضابطہ کی اطاعت نہیں کرتا، تو اس کے یہ تمام تصرفات از سر تا پا جرم بن جاتے ہیں۔ اجر ملنا کیسا وہ تو اس کا تعلق ہے کہ ان تمام حرکات کے لیے اس پر فوجداری کا مقدمہ قائم کیا جائے۔

تھاری خرابی کے کسی موقع سے فائدہ اٹھانے میں نہیں چوکے۔ تمہیں جس چیز سے نقصان پہنچے وہی ان کو محبوب ہے۔ ان کے دل کا بغض ان کے منہ سے نکلا پڑتا ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپاؤ ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے ہم نے تمہیں صاف صاف ہدایات دیدی ہیں، اگر تم عقل رکھتے ہو (تو ان سے تعلق رکھنے میں احتیاط برتو گے)۔ تم ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم تمام کتبِ آسمانی کو مانتے ہو۔ جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے بھی (تمہارے رسول اور تمہاری کتاب کو) مان لیا ہے، مگر جب خدا ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف ان کے غیظ و غضب کا

۱۔ مدینہ کے اطراف میں جو یہودی آباد تھے ان کے ساتھ اوس اور خزرج کے لوگوں کی قدیم زمانہ سے دوستی چلی آتی تھی۔ انفرادی طور پر بھی ان قبیلوں کے افراد ان کے افراد سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اور قبائلی حیثیت سے بھی یہ اور وہ ایک دوسرے کے ہمسایہ اور حلیف تھے۔ جب اوس اور خزرج کے قبیلے مسلمان ہو گئے تو اس کے بعد بھی وہ یہودیوں کے ساتھ وہی پُرانے تعلقات نباتتے رہے اور ان کے افراد اپنے سابق یہودی دوستوں سے اسی محبت و خلوص کے ساتھ ملتے رہے۔ لیکن یہودیوں کو نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مشن سے جو صداوت تھی اس کی بنا پر وہ کسی ایسے شخص سے مخلصانہ محبت رکھنے کے لیے تیار نہ تھے جو اس نئی تحریک میں شامل ہو گیا ہو۔ انہوں نے انصار کے ساتھ ظاہر میں تو وہی تعلقات رکھے جو پہلے سے چلے آتے تھے، مگر دل میں وہ اب ان کے سخت دشمن ہو چکے تھے اور اس ظاہری دوستی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کی جماعت میں اندرونی فتنہ و فساد برپا کر دیں اور ان کے جماعتی راز معلوم کر کے ان کے دشمنوں تک پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ یہاں ان کی اسی منافقانہ روش سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کی ہدایت فرما رہا ہے۔

۲۔ یعنی یہ عجیب ماجرا ہے کہ شکایت بجائے اس کے کہ تمہیں ان سے ہوتی، ان کو تم سے ہے۔ تم تو قرآن کے ساتھ توراہ کو بھی مانتے ہو اس لیے ان کو تم سے شکایت ہونے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہو سکتی، البتہ شکایت اگر ہو سکتی تھی تو تمہیں ان سے ہو سکتی تھی کیونکہ وہ قرآن کو نہیں مانتے۔



یہ حال ہوتا ہے کہ اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ اپنے غصہ میں آپ جل مرو، اللہ دلوں کے چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے۔ تمہارا بھلا ہوتا ہے تو ان کو برا معلوم ہوتا ہے اور تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ خوش ہوتے ہیں۔ مگر ان کی کوئی تدبیر تمہارے خلاف کارگر نہیں ہو سکتی بشرطیکہ تم صبر سے کام لو اور اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔ جو کچھ یہ کہتے ہیں اللہ اس پر حاوی ہے۔ (اسے پیغمبر!۔۔۔ لہما نوں کے سامنے اس موقع کا ذکر کرو) جب تم صبح سویرے اپنے گھر سے

ع

لے یہاں سے چوتھا خطبہ شروع ہوتا ہے۔ یہ جنگ احد کے بعد نازل ہوا اور اس میں جنگ احد پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اوپر کے خطبہ سے اس خطبہ کا تعلق سمجھنے کے لیے اس کے آخری فقرے پر پھر ایک نظر ڈال لیجیے۔ اس میں ارشاد ہوا ہے "اکی کوئی تدبیر تمہارے خلاف کارگر نہیں ہو سکتی بشرطیکہ تم صبر سے کام لو اور اللہ سے ڈر کر کام کرے۔" اب چونکہ اُحد میں مسلمانوں کی شکست کا سبب ہی یہ ہوا کہ ان کے اندر صبر کی بھی کمی تھی اور ان کے افراد سے بعض ایسی غلطیاں بھی سرزد ہوئی تھیں جو خدا ترسی کے خلاف تھیں، اس لیے یہ خطبہ جس میں انھیں ان کمزوریوں پر تنبہ کیا گیا ہے مندرجہ بالا فقرے کے بعد ہی متصلاً درج کیا گیا۔

اس خطبہ کا انداز بیان یہ ہے کہ جنگ احد کے سلسلہ میں جتنا ہم واقعات پیش آئے تھے ان میں سے ایک ایک کو لے کر اس پر چند جچے تلے فقروں میں نہایت سبق آموز تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے اس کے واقعاتی پس منظر کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔

شوال ۳ھ کی ابتداء میں کفار قریش تقریباً ۳ ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ تعداد کی کثرت کے علاوہ ان کے پاس ساز و سامان بھی مسلمانوں کی نسبت بہت زیادہ تھا، اور پھر وہ جنگ بدر کے انتقام کا شدید جوش بھی رکھتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تجربہ کار صحابہ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں محصور ہو کر مدافعت کی جائے۔ مگر چند نوجوانوں نے جو شہادت کے شوق سے بے تاب تھے اور جنہیں بدر کی جنگ میں شریک ہونے کا موقع نہ ملا تھا، باہر نکل کر لڑنے پر اصرار کیا۔ آخر کار ان کے اصرار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور ہو کر باہر نکلنے ہی کا فیصلہ کر لیا۔ ایک ہزار آدمی آپ کے ساتھ نکلے۔ مگر مقام شوط پر پہنچ کر عبد الدان ابی اپنے تین سوسا تھیوں کو لے کر الگ ہو گیا۔ عین وقت پر اس کی اس حرکت سے مسلمانوں کے لشکر میں اچھا خاصا اضطراب پھیل گیا، حتیٰ کہ بنو سلمہ اور بنو حارثہ کے لوگ تو ایسے دل شکستہ ہوئے کہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابق)

انہوں نے بھی پلٹ جانے کا ارادہ کر لیا تھا، مگر پھر اولو العزم صحابہ کی کوششوں سے یہ اضطراب رفع ہو گیا۔ ان باقی ماندہ سات سو آدمیوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور اُحد کی پہاڑی کے دامن میں مدینہ سے تقریباً چار میل کے فاصلہ پر اپنی فوج کو اس طرح صف آرا کیا کہ پہاڑ پشت پر تھا اور قریش کا لشکر سامنے۔ پشت کی طرف صرف ایک دو ایسا تھا جس سے عقبی حملہ کا خطرہ ہو سکتا تھا۔ وہاں آپ عبد اللہ بن جبیر کے زیر قیادت پچاس تیر انداز بٹھادیے اور ان کو تاکید کر دی کہ کسی گھمسانے قریب نہ پھٹنے دینا، کسی حال میں یہاں سے نہ ہٹنا، اگر تم دیکھو کہ ہماری بوٹیاں پرندے سے نوچے لے جاتے ہیں تب بھی تم اس جگہ سے ہٹنا۔ اس کے بعد جنگ شروع ہوئی۔ ابتداءً مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا یہاں تک کہ مقابل کی فوج میں اتنی پھیل گئی۔ لیکن اس ابتدائی کامیابی کو کامل فتح کی حد تک پہنچانے کے بجائے مسلمان بال غنیمت کی طرح سے منسوب ہو گئے اور انہوں نے دشمن کے لشکر کو ٹوٹنا شروع کر دیا۔ ادھر جن تیر اندازوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عقب کی حفاظت کے لیے بٹھایا تھا انہوں نے جو دیکھا کہ دشمن بھاگ نکلا ہے اور غنیمت لٹ رہی ہے تو وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر غنیمت کی طرف لپکے حضرت عبداللہ بن جبیر نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تاکید دیکھا کہ یہ یاد رکھو کہ یہ تیر اندازوں کا مگر چند آدمیوں کے سوا کوئی نہ ٹھیرا۔ اس موقع سے خالد بن ولید نے جو اس وقت لشکر کفار کے رسالہ کی کمان کر رہے تھے بروقت فائدہ اٹھایا اور پہاڑی کا چکر کاٹ کر عقب کے درہ سے حملہ کر دیا۔ عبد اللہ بن جبیر نے جن کے ساتھ صرف چند ہی آدمی رہ گئے تھے، اس حملہ کو روکنا چاہا مگر مدافعت نہ کر سکے اور یہ میدان یکایک مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ دوسری طرف جو دشمن بھاگ گئے تھے وہ بھی پلٹ کر حملہ آور ہو گئے۔ اس طرح لڑائی کا پانسہ ایک دم پلٹ گیا اور مسلمان اس غیر متوقع صورت حال سے اس قدر لر سیمہ ہوئے کہ ان کا ایک بڑا حصہ پرانگندہ ہو کر بھاگ نکلا۔ تاہم چند بہادر سپاہی ابھی تک میدان میں ڈٹے ہوئے تھے۔ اتنے میں کہیں سے یہ افواہ اڑ گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ اس خبر نے صحابہ کے رہے رہے ہوش و حواس بھی گم کر دیے اور باقی ماندہ لوگ بھی ہمت ہار کر بیٹھ گئے۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد و پیش صرف دس بارہ جاں نثار رہ گئے تھے اور آپ خود زخمی ہو چکے تھے شکست کی تکمیل میں کوئی کسر باقی نہ رہی تھی لیکن عین وقت پر صحابہ کو معلوم ہو گیا کہ آنحضرت معلوم زندہ ہیں، چنانچہ وہ ہر طرف سے سمٹ کر پھر آگے گرج جمع ہو گئے اور آپ کو سلامت پہاڑی کی طرف لے گئے۔ اس موقع پر یہ ایک متملہ ہے جو صل نہیں ہو سکا کہ وہ کیا چیز تھی جس نے کفار کو خود بخود واپس پھیر دیا۔ مسلمان اس قدر پرانگندہ ہو چکے تھے کہ ان کا پھر مجتمع ہو کر باقاعدہ جنگ کرنا مشکل تھا۔ اگر کفار اپنی فتح کو کمال تک پہنچانے پر اصرار کرتے تو ان کی کامیابی بعینہ تھی۔ مگر یہ معلوم کس طرح وہ آپ ہی آپ میدان چھوڑ کر واپس چلے گئے۔

بکھلے تھے اور (اُحد کے میدان میں) مسلمانوں کو جنگ کے لیے جا بجا مامور کر رہے تھے۔ اللہ ساری باتیں سنتا ہے اور وہ نہایت باخبر ہے۔ (وہ اُس وقت بے خبر نہ تھا جب تم میں سے دو گروہ نزدیکی دکھانے پر آمادہ ہو گئے تھے حالانکہ انکی مدد پر موجود تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ آخر اس سے پہلے جنگ بدر میں اللہ تمہاری مدد کر چکا تھا حالانکہ اس وقت تم بہت کمزور تھے۔ لہذا تم کو چاہیے کہ اللہ کی ناشکری سے بچو، امید ہے کہ اب تم شکر گزار بنو گے۔

(انہیں اس وقت کی بات یاد دلاؤ) جب تم مومنوں سے کہہ رہے تھے "کیا تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں کہ اللہ تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے؟" بے شک، اگر تم صبر کرو اور خدا سے ڈرتے ہوئے کام کرو تو جس آن دشمن تمہارے اوپر چڑھ کر آئیں گے اُسی آن تمہارا رب (تین ہزار نہیں) پانچ ہزار صاحب نشان فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ یہ بات اللہ نے تمہیں اس لیے بتادی ہے کہ تم خوش ہو جاؤ اور تمہارے دل مطمئن ہو جائیں۔ فتح و نصرت جو کچھ بھی ہے اللہ کی طرف سے ہے جو بڑی قوت والا اور دانا و بینا ہے (اور یہ مدد وہ تمہیں اس لیے دے گا) تاکہ کفر کی راہ چلنے والوں کا ایک بازو کاٹ دے یا ان کو ایسی ذلیل شکست دے کہ وہ نامرادی کے ساتھ پسپا ہو جائیں۔

(اے پیغمبر!) فیصلہ کے اختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں، اللہ کو اختیار ہے چاہے انہیں مٹا کرے، چاہے سزا دے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اس کا مالک اللہ ہی، جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے، وہ معاف کرنے والا اور

۱۵۔ یہ اشارہ ہے بنو سلمہ اور بنو ہاشم کی طرف جن کی ہمتیں عبداللہ بن ابی اس کے ساتھ تھیں اور اس کے بعد پست ہو گئی تھیں۔

۱۶۔ مسلمانوں نے جب دیکھا کہ ایک طرف دشمن تین ہزار ہیں اور ہمارے ایک ہزار ہیں سے بھی تین سو الگ ہو گئے ہیں تو ان کے دل ٹوٹنے لگے۔ اُس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے یہ الفاظ کہے تھے۔

رحیم ہے۔

اے ایمان لانے والو! سو دو رسو دکھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔  
 اُس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے ہیتا کی گئی ہے اور اللہ اور رسول کا حکم مان لو، توقع ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ دوڑ کر چلو اس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اُس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے، اور وہ اُن خداترس لوگوں کے لیے ہیتا کی گئی ہے جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بد حال ہوں یا خوش حال، جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔ اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انہیں یاد آجاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے سوا اور کون ہے

اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب زخمی ہوئے تو آپ کے منہ سے کفار کے حق میں بددعا نکل گئی اور آپ نے فرمایا کہ وہ قوم کیسے فلاح پاسکتی ہے جو اپنے نبی کو زخمی کرے۔ یہ آیات اسی کے جواب میں ارشاد ہوئی ہیں۔  
 اللہ اُحد کی شکست کا بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان مین کامیابی کے موقع پر مال کی طمع سے مغلوب ہو گئے اور اپنے کام کو تکمیل تک پہنچانے کے بجائے غنیمت لوٹنے لگے۔ اس لیے حکیم مطلق نے اس حالت کی اصلاح کے لیے طمع زر کے سرچشمے پر بند باندھنا ضروری سمجھا۔ سو دو کے ناپسندیدہ ہونے کا اظہار تو ہجرت سے پہلے تک ہی میں کیا جا چکا تھا (ملاحظہ ہو سورہ روم، رکوع ۴۴) اب اس کی قانونی مانعیت کی ابتداء ہوتی ہے اور سب سے پہلے شرح سو دو پر پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔ عرب میں سو دو رسو کی دو صورتیں رائج تھیں۔ ایک یہ کہ جب کوئی شخص ایک خاص شرح سو دو پر کسی سے قرض لیتا اور مدت مقررہ پوری ہونے تک اسے ادا نہ کرتا تو اس کو مزید مہلت دینے کے لیے شرح سو دو میں اضافہ کر دیا جاتا۔ دوسری یہ کہ ایک مدت تک جب سو دا نہ ہوتا تو وصول طلب سو دو کو اصل میں شامل کر کے پھر اس پر سو دو لگا دیا جاتا۔ اس موقع پر صرف اسی نوعیت کے معاملات کو حرام کیا گیا۔ سو کی کلی مانعیت (جس کا حکم سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے) اس چند سال بعد ہوئی جبکہ تقریباً پورا ملک اسلام کے زیرِ نگیں آچکا تھا اور ملک کے معاشی نظام کو بالکل بدل دینا ممکن ہو گیا تھا۔

۱۱ سو دو خواری جس سوسائٹی میں موجود ہوتی ہے اس کے اندر سو دو خواری کی وجہ سے (باقی اگلے صفحہ پر)

جو گناہ متا کر سکتا ہو۔ اور دیدہ و دانستہ اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کی جزا ان کے رب کے پاس یہ ہے کہ وہ ان کو معاف کر دے گا اور ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہرین بہتی ہوگی اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیسا اچھا بدلہ ہے نیک عمل کرنے والوں کے لیے۔

تم سے پہلے بہت دور گذر چکے ہیں، زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جنہوں نے اللہ کے احکام و ہدایات کو جھٹلایا۔ یہ لوگوں کے لیے ایک نصاب اور صریح تشبیہ ہے اور جو اللہ سے ڈرتے ہوں ان کیلئے ہدایت اور نصیحت دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کر دو، تم ہی غالب ہو گے اگر تم مومن ہو۔ اس وقت اگر تمہیں چوٹ لگی ہو تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے۔ یہ تو زمانہ کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ تم پر یہ وقت اس لئے لایا گیا کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں، اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا جو واقعی راستی کے گواہ ہوں۔ کیونکہ ظالم لوگ اللہ کو پسند نہیں ہیں۔ اور وہ اس آزمائش کے ذریعہ سچے مومنوں کو الگ چھانٹ کافروں کی سرکوبی کر دینا چاہتا تھا کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے جہاں اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ

(بقیہ سابق) دوسم کے اخلاقی اثرات پیدا ہوتے ہیں جو لینے والوں میں حرص و طمع بخل اور خود غرضی۔ اور سودینے والوں میں نفرت، غصہ اور ناراضی۔ لہذا کی شکست میں ان تمام اثرات کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بتاتا ہے کہ سود خواری سے فریقین ہیں جو اخلاقی اوصاف پیدا ہوتے ہیں ان کے بالکل برعکس انفاق فی سبیل اللہ سے یہ دوسری قسم کے اوصاف پیدا ہو گئے ہیں اور اللہ کی بخشش اور اس کی جنت اسی دوسری قسم کے اوصاف سے حاصل ہو سکتی ہے۔

(حواشی صفحہ ۲۱) لہ جو لوگ بے تک سود و سود کا ظالمانہ کاروبار کرتے رہے ہیں ان کو امید لائی جا رہی ہے کہ اگر تم اب جان لینے کے بعد کہ اللہ کو یہ کاروبار پسند نہیں ہے اس سے باز آ جاؤ اور اپنے گناہ پر اصرار نہ کرو تو پہلے جو کچھ کرتے رہے ہو اسے اللہ معاف کر دیگا۔ لہ یہ تشبیہ ہے اس بات پر کہ اگر اللہ کا حکم سن لینے کے بعد بھی تم وہی کچھ کرتے رہے جو اب تک کرتے رہے ہو تو اس انجام کے لیے تیار ہو جاؤ جو تم سے پہلے نافرمانوں کا ہو چکا ہے۔

۱۱ اشارہ ہے جنگ بدر کی طرف۔ اور کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب اس چوٹ کو کھا کر کافر لپٹ بہت نہ ہوئے تو اس چوٹ پر ہم کیوں بہت بارو۔

۱۲ اصل الفاظ ہیں ویتخذ منکم شہداء۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ تم میں سے کچھ شہید لینا چاہتا تھا یعنی کچھ لوگوں کو شہادت کی عزت بخشنا چاہتا تھا۔ اور دوسرے مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان اور منافقین کے اُس مخلوق کا گروہ میں سے جس پر تم اس وقت مشتمل ہو، ان لوگوں کو الگ چھانٹ لینا چاہتا تھا جو حقیقت میں شہداء علی الناس ہیں، یعنی اُس منصبِ طہیل کے اہل ہیں جس پر ہم اُمت مسلمہ کو سرفراز کیا ہے۔

تم میں کون وہ لوگ ہیں جو سبکی جانیں لٹانے والے اور سبکی خاطر حبس کرنے والے ہیں؟ تم تو موت کی تمنائیں کر رہے تھے! مگر یہ اس وقت کی بات تھی جب تم نے نہ آئی تھی، البتہ تمہارے سامنے آگئی اور تم نے اسے آنکھوں دیکھ لیا۔

محمدؐ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں، اُن سے پہلے اور رسول بھی گند چکے ہیں، پھر کیا اگر وہ مرجائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو! جو اُلٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا، البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے انھیں وہ اس کی جزا دیگا۔ کوئی ذی روح اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مر سکتا، موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے۔ جو شخص ثواب دنیا کے ارادہ سے کام کرے گا اس کو ہم دنیا ہی میں سے دیں گے اور جو ثوابِ آخرت کے ارادہ سے کام

لے اشارہ ہے شہادت کے اُن تمنائیوں کی طرف جن کے اصرار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر نکل کر ٹرنے

کا فیصلہ فرمایا تھا۔

ﷺ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو اکثر صحابہ کی ہمتیں چھوٹ گئیں۔ اس حالت میں منافقین نے (جو مسلمانوں کے ساتھ ہی لگے ہوئے تھے) کہنا شروع کیا کہ چلو عبداللہ بن ابی کے پاس چلیں تاکہ وہ ہمارے لیے ابو سفیان سے امان لے دے۔ اور بعض نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ اگر محمدؐ خدا کے رسول ہوتے تو قتل کیسے ہوتے، چلو اب دینِ آبائی کی طرف لوٹ چلیں۔ انہی باتوں کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر تمہاری حق پرستی محض محمدؐ کی شخصیت کے وابستہ ہے اور تمہارا اسلام ایسا سست بنیاد ہے کہ محمدؐ کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی تم اسی کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے جس سے نکل کر آئے تھے تو اللہ کے دین کو تمہاری ضرورت نہیں ہے۔

ﷺ اس سے یہ بات مسلمانوں کے ذہن نشین کرنا مقصود ہے کہ موت کے خوف سے تمہارا بھاگنا فضول ہے۔ کوئی شخص نہ تو اللہ کے مقرر کیے ہوئے وقت سے پہلے مر سکتا ہے اور نہ اس کے بعد جی سکتا ہے۔ لہذا تم کو فکر موت سے بچنے کی نہیں بلکہ اس بات کی کرنی چاہیے کہ زندگی کی جو بہلت بھی تمہیں حاصل ہے اس میں تمہاری سہی و جہد کا مقصود کیا ہے، دنیا یا آخرت؟

ﷺ ثواب کے معنی ہیں نتیجہ عمل۔ ثوابِ دنیا سے مراد وہ فوائد و منافع ہیں جو انسان کو اس کی سعی و عمل کے نتیجے میں اسی دنیا کی زندگی میں حاصل ہوں۔ اور ثوابِ آخرت سے مراد وہ فوائد و منافع ہیں جو اسی سعی و عمل کے نتیجے میں (باقی اگلے صفحہ پر)

کرے گا وہ آخرت کا ثواب پائے گا اور شکر کرنے والوں کو ہم ان کی جزا ضرور عطا کریں گے۔ اس سے پہلے کہتے ہی نبی ایسے گزر چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی۔ اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں اُن پر پڑیں ان سے وہ دل شکستہ نہیں ہوئے، انھوں نے کمزوری نہیں دکھائی، وہ ربا ظلم کے آگے سرنگوں نہیں ہوئے۔ ایسے ہی صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے۔ ان کی دعائیں یہ تھی کہ مالک ہمارے غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما، ہمارے کام میں تیرے حدود سے جو کچھ تجاوز ہو گیا ہو اسے

(دقیقہ سابق) آخرت کی پائیدار زندگی میں حاصل ہوں گے۔ اسلام کے نقطہ نظر سے انسانی اخلاق کے معاملہ میں فیصلہ کن سوال یہی ہے کہ کارنل جیات میں آدمی جو ڈر دھوپ کر رہا ہے اس میں آیا وہ ذیوی نتائج پر نگاہ رکھتا ہے یا آخری نتائج پر۔ (حواشی صفحہ ۱۵) اللہ شکر کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اس نعمت کے قدر شناس ہوں کہ اُس نے دین کی صحیح تعلیم دے کر انہیں دنیا اور اس کی محدود زندگی سے بہت زیادہ وسیع، ایک ناپیدا کائنات عالم کی خبر دی اور انہیں اس حقیقت سے آگاہی بخشی کہ انسانی سعی و عمل کے نتائج صرف اس دنیا کی چند سالہ زندگی تک محدود نہیں ہیں بلکہ اس زندگی کے بعد ایک دوسرے عالم تک ان کا سلسلہ دراز ہوتا ہے۔ یہ وسعت نظر اور یہ دو بینی دعا بقبتِ اندیشی حاصل ہو جانے کے بعد جو شخص اپنی کوششوں اور محنتوں کو اس ذیوی زندگی کے ابتدائی مرحلہ میں بار آور ہوتے نہ دیکھے، یا ان کا بگڑنے نتیجہ نکھلتا دیکھے اور اس کے باوجود اللہ کے بھروسہ پر وہ کام کرتا چلا جائے جس کے متعلق اللہ نے اسے یقین دلایا ہے کہ بہر حال آخرت میں اس کا نتیجہ اچھا ہی نکلے گا، وہ شکر گزار بندہ ہے۔ برعکس اس کے جو لوگ اس کے بعد بھی دنیا پرستی کی تنگ نظری میں مبتلا رہیں جن کا حال یہ ہو کہ دنیا میں جن غلط کوششوں کے بظاہر اچھے نتائج نکلتے نظر آئیں ان کی طرف وہ آخرت کے بُرے نتائج کی پردا کیے بغیر جھک پڑیں اور جن صحیح کوششوں کے یہاں بٹا آور ہونے کی امید نہ ہو یا جن سے یہاں نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو ان میں آخرت کے نتائج خیر کی امید پر اپنا وقت، اپنے مال اور اپنی قوتیں صرف کرنے کے لیے تیار نہ ہوں، وہ ناشکرے ہیں اور اُس علم کے ناقدر شناس ہیں جو اللہ نے انہیں بخشا ہے۔

۱۵ یعنی اپنی قلبت تعداد اور بے سرو سامانی، اور کفار کی کثرت اور زبرد آوری دیکھ کر انھوں نے باطل پرستوں

کے آگے سپر نہیں ڈالی۔

معاف کرنے، ہمارے قدم جادے اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کرے۔ آخر کار اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب بھی دیا اور اس سے بہتر ثواب آخرت بھی عطا کیا۔ اللہ کو ایسے ہی نیک عمل لوگ پسند ہیں اے ایمان لانے والو! اگر تم ان لوگوں کے اشاروں پر چلو گے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے تو وہ تم کو الٹا پھیر لے جائیں گے اور تم نامراد ہو جاؤ گے۔ (ان کی باتیں غلط ہیں) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تمہارا حامی و مددگار ہے اور وہ بہترین مدد کرنے والا ہے۔ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب ہم منکرین حق کے دلوں میں رعب بٹھا دیں گے، اس لیے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ ان کو خدائی میں شریک ٹھہرایا ہے جن کے شریک ہونے پر اللہ نے کوئی سزا نازل نہیں کی، ان کا آخری ٹھکانا جہنم ہے اور کیسی بُری قیام گاہ ہے جو ان ظالموں کو نصیب ہوگی۔

اللہ نے (تائید و نصرت کا) جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ تو اس نے پورا کر دیا۔ ابتدا میں اس کے حکم سے تم ہی ان کو قتل کر رہے تھے، مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا، اور جو نبیؐ وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (یعنی مالِ غنیمت) تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔ اس لیے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے۔ تب اللہ نے تمہیں کافروں کے مقابلہ میں اپنا کر دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے۔ اور حق یہ ہے کہ اللہ نے پھر بھی تمہیں معاف ہی کر دیا کیونکہ مومنوں پر اللہ بڑی نظر عنایت رکھتا ہے اور ایسا

۱۱ یعنی جس کفر کی حالت سے تم مہل کر آئے ہو اسی میں یہ تمہیں پھر واپس لے جائیں گے۔ منافقین اور یہودی اُحد کی شکست کے بعد مسلمانوں میں یہ خیال پھیلانے کی کوشش کر رہے تھے کہ محمدؐ اگر واقعی نبی ہوتے تو شکست کیوں کھاتے۔ یہ تو ایک معمولی آدمی ہیں ان کا معاملہ بھی دوسرے آدمیوں کی طرح ہے۔ آج فتح ہے تو کل شکست۔ خدا کی جس حمایت و نصرت کا انہوں نے تم کو یقین دلا رکھا ہے وہ محض ایک ڈھونگ ہے۔

۱۲ یعنی تم نے غلطی تو ایسی کی تھی کہ اگر اللہ تمہیں معاف نہ کر دیتا تو اس وقت تمہارا ہستی خال ہو جاتا۔ یہ اللہ کا فضل تھا اور اس کی تائید و حمایت تھی جس کی بدولت تمہارے دشمن تم پر قابو پا لینے کے بعد ہوش گم کر بیٹھے اور بلاوجہ خود پسپا ہو کر چلے گئے۔



کرو وہ وقت) جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے، کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے تک کا ہوش تمہیں نہ تھا اور رسول تمہارے پیچھے تم کو پکار رہا تھا۔ اس وقت تمہاری اس روش کا بدلہ اللہ نے تمہیں یہ دیا کہ تم کو رنج پر رنج دیتے تاکہ آئندہ کے لیے تمہیں سبق ملے اور جو کچھ تمہارے ہاتھ سے جائے یا جو مصیبت تم پر نازل ہو اس پر ملول نہ ہو۔ اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔

اس غم کے بعد پھر اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں پر ایسی اطمینان کی سی حالت طاری کر دی کہ وہ اڑکنے لگے۔ مگر ایک دوسرا گروہ جس کے لیے ساری اہمیت بس اپنے مفاد ہی کی تھی، اللہ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگا جو بالکل خلاف حق تھے۔ یہ لوگ اب کہتے ہیں کہ اس کام کے چلانے میں نارا بھی کوئی حصہ ہے؟ ان سے کہو (کسی کا کوئی حصہ نہیں)، اس کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ دراصل یہ لوگ اپنے دلوں میں جو بات چھپائے ہوئے ہیں اُسے تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ ان کا اصل مطلب یہ ہے کہ اگر (قیادت کے) اختیارات میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا تو یہاں ہم نہ ماسے جلتے۔ ان سے کہدو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کی موت لکھی ہوئی تھی وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف کل آتے۔

۱۰ جب مسلمانوں پر عقب سے اور سامنے سے بیکنگ حملہ ہوا اور ان کی صفوں میں اتنی بھیل گئی تو کچھ لوگ مدینہ کی طرف بھاگ نکلے اور کچھ اُحد پر چڑھ گئے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بیخ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ دشمنوں کا چاروں طرف ہجوم تھا، دس بارہ آدمیوں کی مٹھی بھر جماعت پاس رہ گئی تھی، مگر اللہ کا رسول اس نازک موقع پر بھی بہاڑ کی طرح اپنی جگہ جما ہوا تھا اور بھاگنے والوں کو پکار رہا تھا

الٰہی عباد اللہ، الٰہی عباد اللہ، اللہ کے بندو میری طرف آؤ، اللہ کے بندو میری طرف آؤ۔

۱۱ رنج نہایت کا رنج اس خبر کا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے، رنج اپنے کثیر التعداد قتلوں اور مجروحوں کا، رنج اس بات کا کہ اب گھروں کی بھی خیر نہیں، تین ہزار دشمن، جن کی تعداد مدینہ کی مجموعی آبادی سے بھی زیادہ ہے، شکست خوردہ فوج کو روندتے ہوئے قصبہ میں آگھسیں گے اور سب کو تباہ کر دیں گے۔

۱۲ یہ ایک عجیب تجربہ تھا جو اس وقت لشکر اسلام کے بعض لوگوں کو پیش آیا۔ حضرت ابو طلحہ جو اس جنگ میں شریک تھے خود بیان کرتے ہیں کہ اس حالت میں ہم پراؤنگھ کا ایسا غلبہ ہو رہا تھا کہ تلواریں ہاتھ سے چھوڑ ڈالتی تھیں۔

اور یہ معاملہ جو پیش آیا، یہ تو اس لیے تھا کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں پوشیدہ ہے اللہ اسے آزمائے اور جو کھوٹ تمہارے دلوں میں ہے اُسے چھانٹ دے، اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔  
تم میں سے جو لوگ مقابلہ کے دن پٹھ پھیر گئے تھے ان کی اس لغزش کا سبب یہ تھا کہ ان کی بعض کمزوریوں کی وجہ سے شیطان نے ان کے قدم ڈگمگادیے تھے۔ اللہ نے انہیں معاف کر دیا، اللہ بہت درگزر کرنے والا اور بردبار ہے۔

ع ۶

اے ایمان لانے والو! کافروں کی سی باتیں نہ کر جن کے عزیزا قارب لگے کبھی سفر ہو جاتے ہیں یا جنگ میں شریک ہوتے ہیں (اور وہاں کسی حادثہ سے دوچار ہو جاتے ہیں) تو وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مارے جاتے اور نہ قتل ہوتے۔ اللہ اس قسم کی باتوں کو ان کے دلوں میں حسرت اندوہ کا سبب بنا دیتا ہے، ورنہ دراصل مارنے اور چلانے والا تو اللہ ہی ہے اور تمہاری تمام حرکات پر وہی نگران ہے۔ اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مبراؤ تو اللہ کی جو رحمت اور بخشش تمہارے حصہ میں آئے گی وہ ان ساری چیزوں سے زیادہ بہتر ہے جنہیں یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔ اور خواہ تم مرو یا مارے جاؤ بہر حال تم سب کو سمٹ کر جانا اللہ ہی کی طرف ہے۔

(اے پیغمبر!) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کر دو، ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ دکھو، البتہ جب تمہارا غم کسی رلے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسہ

سے یعنی یہ باتیں حقیقت پر مبنی نہیں ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قصار انہی کسی کے ٹالے مل نہیں سکتی، مگر جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور سب کچھ اپنی تدبیروں ہی پر موقوف سمجھتے ہیں ان کے لیے اس قسم کے قیاسات بس داغ حسرت بن رہ جاتے ہیں اور وہ ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں کہ کاش یوں ہوتا تو یہ ہو جاتا۔

پر کام کرتے ہیں۔ اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں اور وہ تمہیں چھوڑے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہو پس جو سچے مومن ہیں ان کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ کسی نبی کا یہ کام نہیں ہو سکتا کہ وہ خیانت کر جائے۔ اور جو کوئی خیانت کرے تو وہ اپنی خیانت سمیت قیامت کے روز حاضر ہو جائے گا، پھر تنفس کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو شخص ہمیشہ اللہ کی رضا پر چلنے والا ہو وہ اس شخص کے سے کام کرے جو اللہ کے غضب میں گھر گیا ہو اور جس کا آخری ٹھکانا وہ بدترین ٹھکانا ہو جسے جہنم کہتے ہیں؟ اللہ کے نزدیک دونوں قسم کے آدمیوں میں بدرجہا فرق ہے اور اللہ سب اعمال پر نظر رکھتا ہے۔ درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اُس کی آیات، انہیں سناتا ہے، اُن کی زندگیوں کو سنوا تا ہے اور اُن کو کتاب و روانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے ہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

اور یہ تمہارا کیا حال ہے کہ جب تم پر مصیبت پڑی تو تم کہنے لگے یہ کہاں سے آئی؟ حالانکہ جب

۱۷ جن تیر اندازوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عقب کی حفاظت کے لیے بٹھایا تھا انہوں نے جب دیکھا کہ دشمن کا لشکر ٹوٹا جا رہا ہے تو ان کو اندیشہ ہوا کہ ہمیں ساری غنیمت انھی لوگوں کو نہ مل جائے جو اسے لوٹ رہے ہیں اور ہم تقسیم کے موقع پر محروم نہ رکھے جائیں۔ اسی بنا پر انہوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی جنگ ختم ہونے کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو آپ نے اُن لوگوں کو بلا کر اس نافرمانی کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے جواب میں کچھ عذرات پیش کیے جو نہایت کمزور تھے۔ اس پر حضور نے فرمایا بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنَا نَاقِلٌ وَلَا نَقِمْ لَكُمْ، اصل بات یہ ہے کہ تم کو ہم پر اطمینان نہ تھا، تم نے یہ گمان کیا کہ ہم تمہارے ساتھ خیانت کریں گے اور تم کو حصہ نہیں دیں گے۔ اس آیت کا اشارہ اسی معاملہ کی طرف ہے۔ ارشاد الہی کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہاری فوج کا کمانڈر خود اللہ کا نبی تھا اور سارے معاملات اس کے ہاتھ میں تھے تو تمہارے دل میں یہ اندیشہ پیدا کیسے ہوا کہ نبی کے ہاتھ میں تمہارا مفاد محفوظ نہ ہوگا۔ کیا خدا کے پیغمبر سے یہ توقع رکھتے ہو کہ جو مال اس کی نگرانی میں ہو وہ دیانت، امانت اور انصاف کے سوا کسی اور طریقہ سے تقسیم ہو سکتا ہو؟ (باقی اگلے صفحہ پر)

بدر میں) اس سے دو گنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (فریق مخالف پر) پڑ چکی ہے۔ اے نبی! ان سے کہو، یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے، جو نقصان لڑائی کے دن تمہیں پہنچا وہ اللہ کے اذن سے تھا اور اس لیے تھا کہ اللہ دیکھ لے تم میں سے مومن کون ہیں اور منافق کون۔ وہ منافق کہ جب ان سے کہا گیا آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا کم از کم (اپنے شہر کی) مدافعت ہی کرو، تو کہنے لگے اگر ہمیں علم ہوتا کہ آج جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ یہ بات جب وہ کہہ رہے تھے اُس وقت وہ ایمان کی یہ نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں، اور جو کچھ وہ دلوں میں چھپاتے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو خود تو ٹیٹھے رہے اور ان کے جو بھائی بند لڑنے گئے اور مارے گئے ان کے متعلق انھوں نے کہہ دیا کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے

(بقیہ سابق) اللہ اکابر صحابہ تو خیر حقیقت شناس تھے اور کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو سکتے تھے، مگر عام مسلمان یہ سمجھ رہے تھے کہ جب اللہ کا رسول ہمارے درمیان موجود ہے اور اللہ کی تائید و نصرت ہمارے ساتھ ہے تو کسی حال میں کفار ہم پر فتح پا ہی نہیں سکتے۔ اس لیے جب احد میں ان کو شکست ہوئی تو ان کی توقعات کو سخت صدمہ پہنچا، اور انھوں نے حیران ہو کر پوچھنا شروع کیا کہ یہ کیا ہوا؟ اللہ کے دین کی خاطر ہم لڑیں، اللہ کا وعدہ نصرت ہمارے ساتھ ہوا، اللہ کا رسول خود میں ان جنگ میں موجود ہوا اور پھر بھی ہم شکست کھائیں؟ اور شکست بھی ان سے جو اللہ کے دین کو مٹانے آئے ہوں؟ یہ آیات اسی حیرانی کو دور کرنے کیلئے ارشاد ہوئی ہیں۔

(حواشی صفحہ ۲۱) جنگ احد میں مسلمانوں کے ۷۰ آدمی شہید ہوئے بخلاف اس کے جنگ بدر میں کفار کے ۷۰ آدمی مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے اور ۷۰ آدمی گرفتار ہو کر آئے تھے۔

اللہ یعنی یہ تمہاری اپنی کمزوریوں اور غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ تم نے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑا، بعض کام تقویٰ کے خلاف کیے، حکم کی خلاف ورزی کی، مال کی طمع میں مبتلا ہوئے، آپس میں نزاع و اختلاف کیا، پھر کیوں پوچھتے ہو کہ یہ مصیبت کہاں سے آئی؟ اللہ یعنی اللہ اگر تمہیں فتح دینے کی قدرت رکھتا ہے تو شکست دلوانے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

اللہ عبد اللہ بن ابی جہل تین سو منافقوں کو اپنے ساتھ لے کر راستہ سے پٹننے لگا تو بعض مسلمانوں نے جا کر اُسے سمجھانے کی کوشش کی اور ساتھ چلنے کے لیے راضی کرنا چاہا۔ مگر اس نے جواب دیا کہ میں یقین ہے کہ (باقی اگلے صفحہ پر)

تو نہ مارے جاتے۔ ان سے کہو اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو تو خود تمہاری موت جب آئے اُسے  
مال کر دکھا دینا۔

جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں، اپنے  
رکبے پاس رزق پارہے ہیں، جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اس پر خوش و خرم ہیں، اور  
مطمئن ہیں کہ جو اہل ایمان ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی وہاں نہیں پہنچے ہیں ان کے لیے  
بھی کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔ وہ اللہ کے انعام اور اس کے فضل پر شادان و فرحاں ہیں  
اور ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

۴۷

جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہا ان میں جو اشخاص نیکو  
اور پرہیزگار ہیں ان کے لیے بڑا اجر ہے۔ اور وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں  
جمع ہوئی ہیں، ان سے ڈرو۔ تو یہ سن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے لیے

(بقیہ سابق) آج جنگ نہیں ہوگی، اس لیے ہم جارہے ہیں، ورنہ اگر نہیں تو قہر ہوتی کہ آج جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہارے  
ساتھ چلتے۔

(حواشی صفحہ ہذا) ۱۔ مسند احمد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مروی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص نیک عمل نیک  
دنیا سے جاتا ہے اسے اللہ کے ہاں اس قدر پُر لطف اور پُر کیف زندگی میسر آتی ہے جس کے بعد وہ کبھی دنیا میں واپس آنے  
کی تمنا نہیں کرتا، مگر شہید اس سے مستثنیٰ ہے۔ وہ تمنا کرتا ہے کہ پھر دنیا میں بھیجا جائے اور پھر اس لذت، اس سرور اور  
اس نشے سے بہرہ یاب ہو جو راہِ خدا میں جان دینے سے حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ جنگِ اُحد سے پلٹ کر جب مشرکین کی منزل دور چلے گئے تو انہیں ہوش آیا اور انہوں نے آپس میں کہا یہ  
ہم نے کیا حرکت کی کہ محمد کی طاقت کو توڑ دینے کا جو بیش قیمت موقع ملا تھا اُسے کھو کر چلے آئے۔ چنانچہ ایک جگہ ٹھہر کر  
انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ مدینہ پر فوراً ہی دوسرا حملہ کر دیا جائے۔ لیکن پھر ہمت نہ پڑی اور کہہ واپس چلے گئے۔  
ادھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ گمان تھا کہ یہ لوگ شاید پھر نہ پلٹ آئیں۔ اس لیے جنگِ اُحد کے دوسرے ہی دن آپ نے  
(باقی اگلے صفحہ پر)

اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔ آخر کار وہ اللہ کی عنایت سے اس طرح پلٹ آئے کہ ان کو کسی قسم کا ضرر بھی نہ پہنچا اور اللہ کی رضا پر چلنے کا شرف بھی انھیں حاصل ہو گیا، اللہ بڑا افضل فرمانے والا ہے۔ اب تمہیں معلوم ہو گیا کہ وہ دراصل شیطان تھا جو اپنے دوستوں کو خواہ مخواہ ڈرانا تھا۔ لہذا آئندہ تم انسانوں سے نہ ڈرنا، مجھ سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں صاحبِ ایمان ہو۔

(اے پیغمبر!) جو لوگ آج کفر کی راہ میں بڑی دوڑ دھوپ کر رہے ہیں ان کی سرگرمیاں تمہیں آرزو نہ کریں، یہ اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ رکھے،

(بقیہ سابق) مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا کہ کفار کے تعاقب میں چلنا چاہیے۔ یہ اگرچہ نہایت نازک موقع تھا مگر پھر بھی جو بچے مومن تھے وہ جان نثار کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حمرار الاسد تک گئے جو مدینہ سے ۸ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس آیت کا اشارہ انہی فداکاروں کی طرف ہے۔

۳۵ یہ چند آیات جنگ، احد کے ایک سال بعد نازل ہوئی تھیں مگر چونکہ ان کا تعلق احد ہی کے سلسلہ واقعات سے تھا اس لیے ان کو بھی اس خطبہ میں شامل کر دیا گیا۔ احد سے پلٹتے ہوئے ابوسفیان جیلنج دے گیا تھا کہ آئندہ سال بدر میں ہمارا تمہارا پھر مقابلہ ہوگا مگر شب مقابلہ کا وقت قریب آیا تو اس کی ہمت نے جواب سے دیا کیونکہ اس سال مکہ میں قحط تھا۔ لہذا اس نے پہلو بچانے کے لیے یہ تدبیر کی کہ خفیہ طور پر ایک شخص کو بھیجا جس نے مدینہ پہنچ کر مسلمانوں میں یہ خبریں مشہور کرنی شروع کیں کہ اب کے سال قریش نے بڑی زبردست تیاری کی ہے اور ایسا بھاری لشکر جمع کر رہے ہیں جس کا مقابلہ تمام عرب میں کوئی نہ کر سکے گا۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ مسلمان خوفزدہ ہو کر اپنی جگہ رہ جائیں اور مقابلہ پر نہ آنے کی ذمہ داری انھی پر رہے۔ ابوسفیان کی اس چال کا یہ اثر ہوا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی طرف چلنے کے لیے مسلمانوں سے اپیل کی تو اس کا کوئی ہمت افزا جواب نہ ملا۔ آخر کار اللہ کے رسول نے بھرے مجمع میں اعلان کر دیا کہ اگر کوئی نہ جائے گا تو میں اکیلا جاؤں گا۔ ۳۰، ۳۱، ۳۲ فداکار آپ کے ساتھ چلنے کے لیے کھڑے ہو گئے اور آپ انھی کو لے کر بدر تشریف لے گئے۔ اُدھر سے ابوسفیان دو ہزار کی جمعیت لے کر چلا مگر دو روز کی مسافت تک جا کر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس سال لڑنا مناسب نہیں معلوم ہوتا، آئندہ سال آئیں گے چنانچہ وہ اور اس کے ساتھی واپس ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۸ روز تک بدر کے مقام پر اس کے انتظار میں مقیم رہے اور اس دوران میں آپ کے ساتھیوں نے ایک تجارتی قافلہ (باقی اگلے صفحہ پر)

اور بالآخر ان کو سخت سزا ملنے والی ہے۔ جو لوگ ایمان کو چھوڑ کر کفر کے خریدار بنے ہیں وہ یقیناً اللہ کا کوئی نقصان نہیں کر رہے ہیں (آپ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں) اور ان کے لیے دردناک عذاب تیار ہے۔ یہ ڈھیل جو ہم انھیں دیے جلتے ہیں اس کو یہ کافر اپنے حق میں بہتری نہ سمجھیں، ہم تو انھیں اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ یہ خوب بارگناہ سمیٹ لیں، پھر ان کے لیے سخت ذلیل کرنے والی سزا ہے۔

اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہ رہنے دیکھا جس میں تم اس وقت پائے جاتے ہو۔ وہ پاک لوگوں کو ناپاک لوگوں سے الگ کر کے رہے گا۔ مگر اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تم کو غیب پر مطلع کر دے۔ غیب کی باتیں بتانے کے لیے تو وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے، لہذا امور غیب کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو۔ اگر تم ایمان اور خدا ترسی کی روش پر چلو گے تو تم کو بڑا اجر ملے گا۔

جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخلی ان کے لیے اچھی ہے۔ نہیں، یہ ان کے حق میں نہایت بُری ہے۔ جو کچھ وہ اپنی کنجوسی سے جمع کر رہے ہیں وہی قیامت کے روز ان کے گلے کا طوق بن جائے گا۔ زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے یا خبر ہے۔

(بقیہ سابق) کا روبرو کر کے خوب مافی فائدہ اٹھایا۔ پھر یہ خبر معلوم ہو گئی کہ کفار واپس چلے گئے تو آپ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ (حواشی صفحہ ۶۵۲) یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی جماعت کو اس حال میں دیکھنا پسند نہیں کرتا کہ ان کے درمیان سچے اہل ایمان اور منافق سب خلط ملط ہیں۔

اللہ یعنی مومن و منافق کی تمیز نمایاں کرنے کے لیے اللہ یہ طریقہ اختیار نہیں کرتا کہ غیب کے تم کو دونوں کا حال بتا دے کہ فلاں مومن ہو اور فلاں منافق، بلکہ اس حکم سے ایسے امتحان کے مواقع پیش آئیں گے جن میں تجربہ سمومن اور منافق کا حال کھل جائیگا۔ اللہ یعنی زمین و آسمان کی جو چیز بھی کوئی مخلوق استعمال کر رہی ہے وہ دراصل اللہ کی ملک ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

اللہ نے ان لوگوں کا قول سنا جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ ان کی یہ باتیں بھی ہم لکھ لیں گے اور اس سے پہلے جو وہ پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں وہ بھی ان کے نامہ اعمال میں ثبت ہے (جب فیصلہ کا وقت آئے گا اس وقت) ہم ان سے کہیں گے کہ لو اب عذاب جہنم کا مزا چکھو، یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے، اللہ اپنے بندوں کے لیے ظالم نہیں ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں "اللہ نے ہم کو ہدایت کر دی ہے کہ ہم کسی کو رسول تسلیم نہ کریں جب تک وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی نہ کرے جسے (غیب سے اگر) آگ کھائے" ان سے کہو تمہارے پاس مجھ سے پہلے بہت سے رسول آچکے ہیں جو بہت سی روشن نشانیاں لائے تھے اور وہ نشانی بھی لائے تھے جس کا تم ذکر کرتے ہو، پھر اگر (ایمان لانے کے لیے یہ شرط پیش کرنے میں) تم سچے ہو تو ان کو تم نے کیوں قتل کیا؟ اب اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو بہت سے رسول تم سے پہلے جھٹلائے جا چکے ہیں جو کھلی کھلی نشانیاں اور صحیفے اور روشنی بخشنے والی کتابیں لائے تھے۔ آخر کار ہر شخص کو مرنا ہے اور تم سب اپنے اپنے پورے اجر قیامت کے روز پانے والے ہو، لہذا اصلی کامیابی اس کی ہے جو وہاں آتش دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے، رہی یہ دنیا تو یہ محض ایک ظاہر فریب چیز ہے۔

(بقیہ سابق) اور اس پر مخلوق کا قبضہ و تصرف عارضی ہے۔ ہر ایک کو اپنے مقبوضات سے بہرہ لے دینا ہے اور آخر کار سب کچھ اللہ ہی کے پاس رہ جانے والا ہے۔ لہذا عقلمند ہے وہ جو اس عارضی قبضہ کے دوران میں اللہ کے مال کو اللہ کی راہ میں دل کھول کر صرف کرتا ہے اور سخت بے وقوف ہے وہ جو اسے بچا بچا کر رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

(دواشی صفحہ ۵۸) اللہ یہ یہودیوں کا قول ہے۔ قرآن مجید کی آیت مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے؟ پر طعن کرتے ہوئے وہ اس قسم کی باتیں کہا کرتے تھے۔

اللہ یعنی وہ ہمارے سامنے کسی جانور کو قربان کرے اور ہماری آنکھوں دیکھتے ایک لگ غیب سے نمودار ہو کر اسے ہمیں کر ڈالے جس سے ثابت ہو کہ واقعی یہ شخص خدا کی طرف سے آیا ہے۔

اللہ یعنی اس دنیا کی زندگی میں جو نتائج رونما ہوتے ہیں انہی کو اگر کوئی شخص اصلی اور آخری نتائج (باقی اگلے صفحہ پر)



مسلمانوں! تمہیں مال اور جان دونوں کی آزمائشیں پیش آکر رہیں گی، اور تم اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف وہ باتیں سنو گے، اگر ان سب حالات میں تم صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہو تو بڑے حوصلہ کا کام ہے۔ ان اہل کتاب کو وہ عہد بھی یاد دلاؤ جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تمہیں کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا ہوگا، انہیں پوشیدہ رکھنا نہیں ہوگا۔ مگر انہوں نے کتاب کو بیچ بچ ڈال دیا اور تھوڑی قیمت پر اسے بیچ ڈالا۔ کتنا برا کاروبار ہے جو یہ کر رہے ہیں۔ تم ان لوگوں کو عذاب سے محفوظ نہ سمجھو جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایسے کاموں کی تعریف انہیں حاصل ہو جو فی الواقع انہوں نے نہیں کیے ہیں۔ حقیقت میں ان کے لیے دردناک سزا تیار ہے۔ زمین اور آسمان کا مالک اللہ ہے اور اس کی قدرت سب پر حاوی ہے۔

زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ان ہوشمند لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی

(بقیہ صفحہ سابق) کچھ بیٹھے اور انہیں حق و باطل اور فلاح و خسران کا معیار قرار دے لے تو وہ حقیقت و سچت دیکھ کر میں مبتلا ہو جائے گا۔ یہاں کسی پرہیزگار کی بارش ہونا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ وہی حق پر بھی ہے اور اسی کو اللہ کی بارگاہ میں قبولیت بھی حاصل ہے۔ اور اسی طرح یہاں کسی کا مصائب و مشکلات میں مبتلا ہونا بھی لازمی طور پر معنی نہیں رکھتا کہ وہ باطل پر ہے اور مردود یا رگلاہ انہی ہے۔ اکثر اوقات اس ابتدائی مرحلہ کے نتائج ان بھڑکی نتائج کے برعکس ہوتے ہیں جو حیات ابدی کے مرحلہ میں پیش آنے والے ہیں اور اصل باعتبار انہی نتائج کا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) اللہ یعنی ان کے طعن و تشنیع، ان کے الزامات، ان کے یہودہ طرز کلام اور ان کی جھوٹی نشر و اشاعت کے مقابلہ میں بے صبر ہو کر تم ایسی باتوں پر نہ اترنا اور جو صداقت و انصاف، وقار و ہنر اور اخلاق فاضلہ کے خلاف ہوں۔

اللہ یعنی انہیں یہ تو یاد رہ گیا کہ بعض پیغمبروں کو آگ میں جہنم دانی قربانی بلور نشان کے دی گئی تھی، مگر یہ یاد نہ رہا کہ اللہ نے اپنی کتاب ان کے سپرد کرتے وقت ان سے کیا عہد لیا تھا اور کس خدمتِ عظمیٰ کی ذمہ داری ان پر ڈالی تھی۔

اللہ مثلاً کہا جائے کہ حضرت بڑے سچی ہیں، دیندار اور پیارے ہیں، خادم دین ہیں، حاجی شریعتین ہیں، مصلح و (باقی اگلے صفحہ پر)

ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں۔ (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے، تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔ پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچائے کہ جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا اُسے حقیقت بڑی ذلت و رسوائی میں ڈال دیا اور پھر ظالموں کا کوئی بدکار نہ ہوگا۔ مالک! ہم نے ایک بچارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف بلاتا تھا اور کہتا تھا کہ اپنے رب کو مانو۔ ہم نے اس کی دعوت قبول کر لی، پس اے ہمارے آقا! جو قصور ہم سے ہوئے ہیں ان سے درگزر فرما، جو برائیاں ہم میں ہیں انہیں دور کر دے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر۔ خداوند! جو وعدے تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ کیے ہیں ان کو ہمارے ساتھ پورا کر اور قیامت کے دن ہمیں رسوائی میں ڈال، بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا نہیں ہے۔“ (جن لوگوں نے یہ دعا کی، ان کو ان کے رب کی طرف سے جواب ملا کہ میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں، خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو، لہذا جن لوگوں نے میری خاطر اپنے گھر بار چھوڑے اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے اور ستائے گئے اور جو میرے لیے لڑنے

(بقیہ سابق) مزی ہیں، حالانکہ حضرت کچھ بھی نہیں۔

۱۷۷ یہ خاتمہ کلام ہے اس کا ربط اور پرکی تفسیری آیات میں نہیں بلکہ پوری سورۃ میں تلاش کرنا چاہیے۔ اس کو سمجھنے کے لیے خصوصیت کے ساتھ سورۃ کی تفسیر کو نظر میں رکھنا ضروری ہے۔

(حواشی صفحہ ۱۷۷) لہ یعنی ان نشانیوں پر شخص باسانی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ وہ خدا سے غافل نہ ہو، اور اتنا رکانتا کو جانوروں کی طرح نہ دیکھے بلکہ غور و فکر کے ساتھ مشاہدہ کرے۔

۱۷۸ یعنی جب وہ نظام کائنات کا بغور مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت ان پر کھل جاتی ہے کہ یہ ہر امر ایک حکیمانہ نظام ہے، اور یہ بات ہر امر حکمت کے خلاف ہے کہ جس مخلوق میں اللہ نے اخلاقی حس پیدا کی ہو، جسے تصرف اختیارات دیے ہوں، جسے عقل و تیز عطا کی ہو، اس سے اس کی حیات دنیا کے اعمال پر یا زبردست نہ ہو، اور اسے نیکی پر جزا اور بدی پر سزا نہ دی جائے۔ اس طرح انہیں آخرت کے یقین حاصل ہو جاتا ہے اور وہ خدا کی سزا سے پناہ مانگنے لگتے ہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

اور مارے گئے ان کے سب قصور و عاف کر دوں گا اور انھیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہر میں بہتی ہوں گی۔ یہ ان کی جزا ہے اللہ کے ہاں اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے۔

دنیا کے ملکوں میں خدا کے نافرمان لوگوں کی چلت پھرت دیکھ کر دھوکا نہ کھاؤ، یہ محض چند روزہ زندگی کا تھوڑا سا لطف ہے، پھر یہ سب جہنم میں جائیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔ برعکس اس کے جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہر میں بہتی ہیں، ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کی طرف سے یہ سامانِ ضیافت ہے ان کے لیے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہونیک لوگوں کے لیے وہی سب سے بہتر ہے۔ اہل کتاب میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کو مانتے ہیں، اس ہدایت پر ایمان لاتے ہیں جو تمہاری طرف بھی گئی ہے اور اس ہدایت پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو اس سے پہلے خود ان کی طرف بھی گئی تھی، اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں، اور اللہ کی آیات کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ نہیں دیتے۔ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور اللہ حساب چکانے میں دیر نہیں لگاتا۔

اے ایمان لانے والو! صبر سے کام لو، باطل کے مقابلہ میں قدم مضبوط رکھو اور حق کی خدمت کے لیے کمر بستہ رہو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔

ع

(ذیقہ سابق) ۱۱۱ اسی طرح یہی مشاہدہ ان کو اس بات پر بھی مطمئن کر دیتا ہے کہ پیغمبر اس کائنات اور اس کے آغاز و انجام کے متعلق جو نقطہ نظر پیش کرتے ہیں اور زندگی کا جو راستہ بتاتے ہیں وہ سراسر حق ہے۔

۱۱۲ یعنی انھیں اس امر میں تو شک نہیں ہے کہ اللہ اپنے وعدوں کو پورا کر گیا یا نہیں، البتہ تردد اس امر میں ہے کہ آیا ان وعدوں کے مصداق ہم بھی قرار پاتے ہیں یا نہیں، اس لیے وہ اللہ سے دعا مانگتے ہیں کہ ان وعدوں کا مصداق ہم بنائے اور ہمارے ساتھ انھیں پور کرے، کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا میں ہم پیغمبروں پر ایمان لاکر کفار کی تضحیک اور طعن و تشنیع کے ہدف بنے ہی ہیں، قیامت میں بھی ان کافروں کے سامنے ہماری رسوائی ہو۔

۱۱۳ یعنی تم سب انسان ہو اور میری نگاہیں یکساں ہو میرے ہاں یہ دستور نہیں ہے کہ عورتوں اور مردوں کا اور غلام، کالے اور گورے، ادنیٰ اور بڑے کے لیے انصاف کے اصول اور فیصلے کے معیار الگ الگ لگ ہوں۔

(صاف صاف ہذا) ۱۱۴ روایت ہے کہ بعض غیر مسلم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰ عیسا اور یدعیسا لائے تھے، میں نے انہیں کو مینا اور کوٹھڑیوں کو اچھا کرتے تھے، دوسرے پیغمبر بھی کچھ نہ کچھ مجھے لائے تھے، آپ فرمائیں کہ آپ کیا لائے ہیں؟ اس پر آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں اور ان سے کہا کہ میں یہ لایا ہوں۔